Fikr-o-Nasar (Islamabad) 41:2 (2003)



# طبعی علوم کی اسلامی تشکیل- ایک جائزہ

خورشید احمد ندیم ☆

[گزشتہ صدی کی آخری دو دہائیوں میں، جو موضوع مسلمان اہل علم کی دلچسپی کا خصوصی مستحق ٹھہرا، وہ علم کی اسلامی تشکیل (Islamization of knowledge) ہے۔ اس باب میں کئی نقطہ ہائے نظر وجود میں آئے۔ ڈاکٹر اسماعیل فاروقی اور ڈاکٹر حسین نصر جیسے صاحبانِ علم نے اس موضوع پر تفصیل سے لکھا۔ اس بحث میں جہاں علوم کی اسلامی تشکیل کے حوالے سے ایک سے زیادہ آراء سامنے آئیں، وہاں یہ سوال بھی اٹھا کہ کیا علوم کی اسلامی تشکیل کی فی الواقع ضرورت ہے؟ یہ سوال طبعی علوم (Natural Sciences) میں خاص طور پر بحث کا موضوع بنا۔ ہم آنے والے صفحات میں دو مضامین شائع کر رہے ہیں، جن میں اسی تناظر میں اہم نکات اٹھائے گئے ہیں۔ جناب عثمان بکر نے ایک مکتب فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے طب اسلامی کا فلسفہ بیان کیا ہے، جبکہ جناب خورشید احمد ندیم نے اس فلسفے کو سامنے رکھتے ہوئے طبعی علوم کی اسلامی تشکیل کے مسئلے پر عمومی انداز میں روشنی ڈالی ہے]

(ادارہ)

علوم و فنون کی اسلامی تشکیل کے باب میں ایک اہم مسئلہ طبعی علوم کی اسلامی تشکیل ہے۔ سماجی علوم کو تو ایک حد تک کسی اخلاقی نظام کے تابع کرنا ممکن ہے یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ سماجی علوم بعض تہذیبی و سماجی بنیادوں پر استوار ہوتے ہیں لیکن طبعی علوم پر یہ بات پوری طرح صادق نہیں آتی۔ طبعی علوم میں انسان ایک طبعی وجود (physical intity) ہے، جس کو سائنسی بنیاد پر سمجھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح کائنات کی تشکیل بھی کچھ طبعی قوانین (Physical Laws) کے تحت ہوئی ہے۔ جنہیں سائنسی طور پر بیان کیا جا سکتا ہے۔ مطالعہ سائنس (Science Studies) کے طالب علموں کے لئے یہ سوال ہمیشہ لاینحل رہا ہے کہ انسان اور کائنات کو سمجھنے کے اس عمل میں مذہب کا کردار کیا ہے۔

مغرب میں سائنسی تحقیق کا جو عمل چند صدیوں میں سامنے آیا ہے، اس کی بنیاد تشکیل جدید (reformation) کی تحریک ہے۔ یہ تحریک جن اصولوں پر کھڑی ہے، اس کی ایک بنیاد مذہب کی نفی بھی ہے۔ چنانچہ مغرب میں بالعموم یہ خیال کیا جاتا ہے کہ سائنسی تحقیق کا عمل فی نفسہٖ غیر مذہبی

---

☆ سیکرٹری کمیشن آن اسلامائزیشن آف ایجوکیشن، اسلام آباد

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

(secular) ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں مغرب کی غیر معمولی فتوحات نے اسے ایک مسلمہ اصول کی حیثیت دے دی۔ مسلمان اہل علم نے جب علم و تحقیق میں اپنا نظری تشخص قائم کرنا چاہا تو انہیں ان سائنسی علوم کو اسلامی بنیادیں فراہم کرنے کا چیلنج درپیش ہوا، جس کے مظاہر ٹیکنالوجی کے محیرالعقل ایجادات کی صورت میں ان کے سامنے تھے۔

مسلمان اہل علم نے اس چیلنج کا جواب دو طرح سے دیا۔ ایک ردِعمل تو خالصتاً منفعلانہ تھا۔ جدید تحقیقات سے مرعوبیت کے تحت یہ کہا گیا ہے کہ سائنس آج اپنی جن کامیابیوں پر اترا رہی ہے، اس کی فکری بنیادیں تو کئی صدیاں پہلے قرآن مجید نے بیان کر دی تھیں یا اس کے شواہد نبی ﷺ کے ارشادات میں موجود ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اسلام ان تحقیقات کا مخالف نہیں بلکہ یہ عین اسلامی ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ قرآن کے مقابلے میں بائبل نہ صرف یہ کہ ان تحقیقات کی تائید نہیں کرتی بلکہ وہ جو مذہب پیش کرتی ہے وہ نئی سائنسی دریافتوں کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا[۱]۔ اسی نقطہ نظر کے تحت ''طب نبوی'' جیسے علوم سامنے آئے، ایٹم بم کی بنیاد قرآن و حدیث میں تلاش کی گئی اور وضو، نماز وغیرہ کی سائنسی توجیہ کی گئی اور یہ ثابت کیا گیا کہ مذہب کے تمام مظاہر جدید سائنسی تحقیقات پر پورا اترتے ہیں۔

جدید سائنس کے حوالے سے دوسرا ردعمل وہ ہے جس کی ترجمانی سید حسین نصر اور ان کے مکتب فکر کے لوگ کرتے ہیں۔ عثمان بکر اسی نقطہ نظر کے ترجمان ہیں۔ اس تعبیر کے تحت سائنسی دریافتوں کا عمل اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ خدائے واحد کی تلاش کا سفر ہے۔ یہاں اسلامی تہذیب کے پس منظر میں سائنس کو ایک تقدس کا درجہ حاصل ہے کیونکہ وہ ایک خصوصی روحانی روایت کی مظہر ہے۔ عثمان بکر کے نزدیک سائنس اور روحانی علم کی علیحدگی کا تصور جدید تمدن کی پیداوار ہے۔ اسلام میں توحید محض روحانی علم تک محدود نہیں بلکہ یہ مظاہر کائنات تک پھیلا ہوا ایک عمل ہے۔ فطرت روحانی اور مابعدالطبیعاتی علوم کا ماخذ بھی ہے کیونکہ فطرت محض فطری (Natural) نہیں بلکہ اس کا ایک پہلو مافوق الفطری (Supernatural) بھی ہے۔ اس مکتب فکر میں کائنات دراصل علامتوں کی کتاب ہے۔ ہر مظہر کائنات کسی نہ کسی روحانی یا دینی قدر کی علامت ہے۔ یہ لوگ اس باب میں امام غزالیؒ کو بھی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ان کے نزدیک پرندہ روح کی علامت ہے اور درخت زندگی کے مختلف مراحل کی علامت ہے۔ اس طرح یہ تعبیر آگے بڑھتے ہوئے تصوف کی قدیم روایت سے جا ملتی ہے۔[۲]

جہاں تک پہلے نقطہ نظر کا تعلق ہے تو اس کو تسلیم کرنے میں دو باتیں مانع ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ یہاں جدید سائنس کو ایک معیار کی حیثیت دی گئی ہے۔ جب ہم یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن ان جدید تحقیقات پر پورا اترتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ہم انہیں معیار قرار دے رہے ہیں۔ اگر یہ بات درست ہے تو پھر یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم جدید سائنس کو جزوی طور پر معیار تسلیم کریں اور جزوی طور پر رد کردیں۔ جدید سائنس کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ اس کی بنیاد وحی پر نہیں بلکہ حواس پر ہے یا انسانی تجربے پر۔ وہ کائنات کو اس نظر سے نہیں دیکھتی کہ وہ کسی خالق کی تخلیق ہے جو ہر چیز پر قادر ہے بلکہ وہ اسے بعض طبعی قوانین کا شاخسانہ قرار دیتی ہے۔ اگر ہم جدید سائنس کو معیار مان رہے ہیں تو پھر ہمیں سائنس کے اس مقدمے کو بھی تسلیم کرنا ہوگا۔

دوسرا امر جو اس نقطہ نظر کو ماننے میں رکاوٹ ہے، وہ یہ ہے کہ اس کے بعد ہمیں قرآن کو سائنس کی ایک کتاب تسلیم کرنا ہوگا۔ پھر یہ بھی ماننا ہوگا کہ رسالت مآب ﷺ لوگوں کو سائنس سکھانے کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے۔ قرآن اور پیغمبر کی یہ حیثیت تسلیم کرنے کے بعد مذہب کا بنیادی مقدمہ ہی تبدیل ہو جاتا ہے۔ مذہب کا اصل مقدمہ تو یہ ہے کہ وہ انسان کو ایک ایسی اخروی زندگی کے لئے تیاری کا پیغام دیتا ہے جو ابدی ہے اور جس کی نجات ہی اصل نجات ہے۔ وہ اگر مظاہر قدرت کا ذکر کرتا ہے تو سائنس سکھانے کے لئے نہیں بلکہ اس سے مقصود بھی دراصل اسی بنیادی امر یعنی آخرت کی جانب توجہ دلانا ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے قرآن سائنس کی کتاب نہیں ہے بلکہ ایک کتاب ہدایت ہے۔

جہاں تک دوسرے موقف کا تعلق ہے تو اس میں یہ بنیادی استدلال درست ہے کہ تسخیر کائنات کا سفر دراصل اپنے پروردگار کی تلاش کا عمل ہے۔ قرآن مجید اس کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ اللہ کے بندے جب مظاہر کائنات پر غور کرتے ہیں تو وہ اسی نتیجے تک پہنچتے ہیں۔ ''اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ عبث پیدا نہیں کیا''(۳)۔ گویا وہ اس تحقیقی عمل سے گزر کر اصل حقیقت دریافت کرتے ہیں۔ لیکن یہ بات کہ ہر مظہر کائنات کوئی روحانی تعبیر رکھتا ہے، اس کے لئے قرآن و سنت میں کوئی بنیاد تلاش کرنا مشکل ہے۔ قرآن عربی مبین میں نازل ہوا ہے۔ اس کا اسلوب واضح کر دیتا ہے کہ کہاں کوئی بات تشبیہ اور استعارے کے پیرائے میں بیان کی گئی ہے اور کہاں الفاظ کا حقیقی مفہوم پیش نظر ہے۔ قرآن کہیں پرندے کو روح کا استعارہ قرار نہیں دیتا بلکہ اسے ایک الٰہی امر کہہ کر غوروفکر کا ایک نیا زاویہ دیتا ہے۔ دینی مباحث میں اصل بنیاد چونکہ قرآن و سنت کو حاصل ہے، اس لئے ایک

علمی مقدمہ ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ یہ مآخذ اس کی تائید کرتے ہوں۔ مظاہر کائنات کو حقیقی اور طبعی وجود مان کر بھی ان سے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا کام لیا جا سکتا ہے۔

عثمان بکر نے اپنی کتاب ''توحید اور سائنس'' میں اس مقدمے کو ثابت کرنے کے لئے طب اسلامی کا فلسفہ بھی بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے جو دلائل دیئے ہیں ہمارے نزدیک ان سے نہ صرف یہ کہ ان کے اصل مقدمے کے لئے کوئی دلیل فراہم نہیں ہوتی بلکہ یہ معلوم کرنا بھی آسان نہیں کہ اسلامی طب، کسی غیر اسلامی طب سے علمی سطح پر کیسے مختلف ہے۔ مثال کے طور پر طب کو نظری اور عملی دائروں میں تقسیم کرنے کے بعد وہ جو تفصیل بیان کرتے ہیں، اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جسے ''اسلامی'' قرار دیا جا سکے۔ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

> ''اسلامی طبی نظام میں بیماری سے بچاؤ کی حفاظتی تدابیر پر جو بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ وہ شرعی تعلیمات کا براہ راست نتیجہ ہے''(۴)۔

واقعہ یہ ہے کہ دیگر طریقہ ہائے علاج بالخصوص جدید مغربی طریقے میں بھی حفاظتی تدابیر پر بہت زیادہ اصرار کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اب اخلاقی تعلیمات پر عمل بھی جسمانی صحت کے لئے لازمی سمجھا جاتا ہے۔ یہ درست ہے کہ جدید طریقہ علاج میں حفاظتی تدابیر کی بنیاد مذہب یا اخروی نجات نہیں بلکہ اس کی تمام توجہ طبعی وجود کو امراض سے بچانا ہے۔ اب پس منظر کی حد تک تو یہ فرق موجود رہے گا لیکن طریقہ علاج میں، اس سے کوئی جوہری فرق واقع نہیں ہوگا۔ عثمان بکر نے جس نظریہ اختلاط کو مسلم فزیالوجی کی بنیاد بنایا ہے، اس میں بھی کوئی ایسی چیز تلاش نہیں کی جا سکتی ہے جسے ''اسلامی'' یا کسی طرح ''مذہبی'' کہا جائے۔ جو بات کسی امر کو مذہبی بتاتی ہے، وہ انسانی وجود یا کائنات کی متبادل مادی یا سائنسی تعبیر نہیں ہے بلکہ اس کی مذہبی یا دوسرے الفاظ میں ایسی مابعدالطبیعاتی تعبیر ہے جس کی بنیاد کسی الہامی علم پر ہے۔ اس نظریہ اختلاط میں ایسی کوئی دلیل تلاش کرنا مشکل ہے۔

جہاں تک ابن سینا جیسے مسلمان اطباء کی خدمات کا تعلق ہے تو اس کا اعتراف تمام دنیا کر رہی ہے۔ لیکن ایک فن یا علم میں جس طرح کسی عیسائی کی خدمات اسے عیسائی نہیں بناتی، اسی طرح محض یہ بات کسی فن کو اسلامی نہیں بناتی کہ اس کے ارتقاء اور ترقی میں کسی مسلمان نے حصہ لیا ہے۔ تاہم ایک فرق واقع ہو سکتا ہے، اگر کوئی طبیب اپنی اسلامی تعلیمات میں حساس ہو۔ مثال کے طور پر الکوحل یا سور کا گوشت اسلامی تعلیمات میں ممنوع ہے۔ اب ایک مسلمان طبیب اس بات کا اہتمام کرے گا کہ ایک دوا کے اجزائے ترکیبی میں الکوحل یا سور کی چربی وغیرہ استعمال نہ ہو۔ یہ بات دواسازی کی

صنعت کو متاثر کرے گی اور اس کے ساتھ طبیب کو بھی۔ تاہم ایک علم کی تشکیل میں جب سائنسی طریقہ کار کو حتمی سمجھ لیا گیا ہے تو اس کے بعد شراب یا الکوحل کے عدم استعمال سے متعلق کوئی سائنسی توجیہ دینا پڑے گی، چنانچہ قدیم دور سے آج تک مسلمان اہل علم نے یہ بتانے کی کوشش کی کہ کس طرح شراب انسانی صحت کے لئے مضر ہے۔ یہ بات چونکہ مغرب میں بھی تسلیم کی گئی ہے۔ اس لئے اس مرحلے پر دونوں طریقہ ہائے علاج میں یہ فرق بھی باقی نہیں رہتا۔

اس ساری بحث میں ہمارے نزدیک جو بات سمجھنے کی ہے وہ مذہب اور سائنس کے دائرہ کار کا فرق ہے۔ قرآن مجید میں پیغمبر کا مقصدِ بعثت یہ بیان ہوا ہے کہ وہ لوگوں کا تزکیہ کرتا ہے۔(۵) گویا مذہب کی دلچسپی انسان کے مادی اور روحانی وجود کے تزکیے سے ہے۔ دوسری طرف سائنس اصلاً دریافت کا عمل ہے۔ اہل علم اگرچہ سائنس کی کسی ایک تعریف پر متفق نہیں ہیں لیکن یہ بات سائنس کی ہر تعریف میں شامل ہے۔ یہ انسانی جستجو کی ایک ایسی سرگرمی ہے جس کے تحت انسان کے وجود یا کائنات کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ گویا تعریف کے اعتبار سے سائنس کا دائرہ کار مذہب سے بالکل مختلف ہے۔ اب سائنسی جستجو کے نتیجے میں جو حقائق دریافت ہوتے ہیں اور ان کے استعمال سے انسان جو کچھ تخلیق کرتا ہے، اس پر اسلام کو کوئی اعتراض نہیں۔ اس کی مداخلت اس وقت شروع ہوتی ہے جب کسی سائنسی دریافت یا ایجاد سے انسان کے اخلاقی وجود کو خطرہ لاحق ہوتا ہے یا اس سے اس کا تزکیہ متاثر ہوتا ہے۔ یہ تزکیہ انفرادی ہوتا ہے اور اجتماعی بھی۔ ایٹم کے ٹوٹنے سے جو بے پناہ توانائی حاصل ہوتی ہے، اس عمل سے اسلام کوئی سروکار نہیں لیکن اسے اس سے ضرور دلچسپی ہے کہ اس سے انسانی تباہی کے ہتھیار بنائے جاتے ہیں یا انسان کے مسائل کو حل کیا جاتا ہے۔ اگر ہم اس اصول کو صرف طب کے میدان میں استعمال کرنا چاہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انسانی وجود کے مطالعے اور اس کی تندرستی کے لئے جو سرگرمی ہوگی وہ عین اسلامی ہے اگر اس سے انسان کے اخلاقی وجود کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

اسی طرح یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ توحید کے پیغام ہی نے دراصل انسانی جستجو اور سائنسی تحقیق کے عمل کو مہمیز دی ہے۔ شرک کے تحت مختلف مظاہر فطرت کی پرستش کی جاتی تھی۔ جب چاند، سورج اور سانپ، گائے کے ساتھ انسان کا تقدس وابستہ ہو جائے گا تو پھر وہ ان کو تسخیر کرنے کے متعلق نہیں سوچے گا بلکہ انسان ان کے آگے سرنگوں ہوگا۔ اسلام نے عقیدت کے ان سب پردوں کو چاک کر کے سائنسی تحقیق کے راستے میں حائل اصل رکاوٹ کو دور کر دیا۔ طب ہی کی مثال لیجئے تو چیچک ایک قدیم بیماری ہے۔ یہ بیماری قدیم ۱۱۲۲ ق م میں چین میں موجود تھی لیکن اس پر تحقیق

کرنے والا پہلا محقق ایک عربی مسلمان ابوبکر الرازی (م۹۲۵ء) ہے۔ اس نے اس مرض پر پہلی کتاب لکھی جس سے تحقیق کا عمل آگے بڑھا۔ حتیٰ کہ وہ وقت آیا کہ ۱۹۷۷ء میں اقوام متحدہ کی طرف سے یہ اعلان ہوا کہ یہ مرض دنیا بھر سے ختم کر دیا گیا۔ یہ بیماری اگر اتنے عرصے تک لاعلاج رہی تو اس کا سبب شرک تھا۔ قدیم عہد کے لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ بیماریاں اس وقت آتی ہیں جب دیوتا کسی قوم سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ بطور علاج دیوتاؤں کو نذرانے پیش کئے جاتے تھے تاکہ ان کی ناراضی دور ہو اور مرض سے نجات ملے۔ اس عقیدے کا اتنا غلبہ تھا کہ چیچک اور خسرہ وغیرہ کے مریضوں کو کھانے پینے یا علاج کے لئے کچھ نہیں دیا جاتا تھا، مبادا اس سے دیوتا مزید ناراض نہ ہوں۔(۶)

اسلام اور سائنس کے باہمی تعلق کو اگر درست طور پر سمجھ لیا جائے تو پھر اس تکلف کی ضرورت باقی نہیں رہتی جس کے تحت طبی یا دوسرے طبعی علوم کی اسلامی بنیادیں تلاش کی جاتی ہیں۔ اور یوں سائنس اور مذہب کے درمیان کسی تصادم کا امکان بھی ختم ہو جاتا ہے۔

## حواشی

۱۔ اس نقطہ نظر کی ترجمانی کے لئے دیکھیے: مورس بوکائی، بائبل، قرآن اور سائنس۔ اُردو سمیت دنیا کی کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

۲۔ Osman Bakar, Tawhid and Science, Suhail Academy, Lahore, 1998, p.61 to 76.

۳۔ آل عمران ۳: ۱۹۱

۴۔ یہ مقالہ ''فکرونظر'' کے اس شمارے میں شامل ہے۔

۵۔ آل عمران ۳:۱۶۴

۶۔ وحید الدین خان، اسلام: دورِ جدید کا خالق، دارالتذکیر، لاہور، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۷۵

-----------